نقد و تبصرہ

(تبصرے کے لیے دو نسخے ارسال فرمائیے)

اقبال اور مسئلۂ تعلیم

مصنف - محمد احمد خان
ناشر - ڈاکٹر معز الدین ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی
طابع - سید اظہار الحسن رضوی
مطبع - مطبع عالیہ لاہور
صفحات - ٦٢٥ - قیمت نامعلوم
ملنے کا پتہ - اقبال اکیڈمی پاکستان - لاہور

جیسا کہ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے کتاب کے پیش لفظ میں ذکر فرمایا ہے محمد احمد خان صاحب جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے ان لائق فرزندوں میں سے ہیں جن کے کارنامے شروع ہی سے مادر علمی کا نام روشن کرنے کا باعث ہوئے - ایک مصنف کی حیثیت سے ان کی شہرت کا باعث ان کی ضخیم کتاب "اقبال کا سیاسی کارنامہ" ہے جو تقریباً بیس سال قبل شائع ہوئی تھی اور جس کا دوسرا ایڈیشن اقبال سینٹنری کے موقع پر اقبال اکیڈمی نے شائع کیا - اقبال اور اقبالیات محمد احمد خان صاحب کی دلچسپی کا خاص میدان ہے - اقبال ہی سے متعلق ایک اور کتاب "اقبال اور قوانین اسلام" پچھلے دنوں زیر تصنیف تھی جو اب تک مکمل ہو چکی ہوگی - یہ کتاب پاکستان میں آج کل کے حالات کے پیش نظر یقیناً دلچسپی سے پڑھی جائے گی -

زیر تبصرہ کتاب اقبال اور مسئلہ تعلیم ۱۳ ابواب ، اشاریہ اور کتابیات پر مشتمل ہے۔ چھ سو صفحے کی اس کتاب میں اقبال کے حوالہ سے مسئلہ تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے اس کا موضوع مسئلہ تعلیم ہے ، نہ کہ فلسفہ تعلیم یا فن تعلیم۔ کتاب کے آخری باب میں مصنف نے خود بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میں جب کسی نئی کتاب کو ہاتھ میں لیتا ہوں، یوں ہی مطالعے کیلئے یا پڑھ کر تبصرہ لکھنے کے لئے تو سب سے پہلے میری نظر کتاب کے نام یا عنوان پر پڑتی ہے ، پڑتی ہی نہیں ٹھہرتی ہے۔ اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ کتاب کا عنوان درست اور با معنی ہے یا نہیں ۔ میرے نزدیک عنوان کتاب کو کتاب کے محتویات کا عکاس اور آئینہ دار ہونا چاہئے ۔ عنوان میں شامل ایک ایک لفظ اور ان الفاظ کی ترتیب بھی اپنا ایک مفہوم رکھتی ہے۔ الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور ترتیب میں فرق سے معنی بدل جاتے ہیں ، موضوع بدل جاتا ہے ، اور موضوع کے تقاضے بدل جاتے ہیں ۔ مثلاً پیش نظر کتاب ہی کو لے لیجئے ۔ «اقبال اور مسئلہ تعلیم» ، کی جگہ اگر «مسئلہ تعلیم اور اقبال» عنوان کر دیا جائے تو باری النظر میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا جائے گا مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یہ دونوں دو موضوع ہیں ۔ اور ان سے بحث کرنے میں ایک مصنف کو بالکل الگ الگ اپروچ اختیار کرنے کی ضرورت ہوگی ۔

دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے باریک اور نازک امتیازات کا بہت کم لوگ ادارک کر پاتے ہیں ۔ اقبال اور مسئلہ تعلیم چونکہ «سال اقبال» کی تقریب سے لکھی گئی ہے اور اسے شائع کرنے والے اقبال اکیڈمی پاکستان ہیں ، اس لئے قدرتی طور پر اس کا اصل موضوع اقبال کی ذات ہے۔ یعنی اقبال کا مطالعہ اس حیثیت سے کہ انہوں نے تعلیم کے مسئلہ پر کیا کچھ کہا ہے اور

اس مسئلہ کو کس طرح حل کیا ہے۔ عنوان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کس کا مسئلہ تعلیم ، مسلم ملت کا ، ہندوستان کا ، دنیا کا ؟ مگر اقبال کے حوالہ سے سرزمین پاکستان میں مسئلہ تعلیم پر جو کتاب لکھی جائے گی وہ ظاہر ہے مسلمانوں ہی سے متعلق ہوگی ۔ اگر عنوان میں «ہمارا» یا «مسلمانوں کا» لفظ مذکور ہوتا تو عنوان ہی میں یہ بات طے ہو جاتی ۔

سرورق کتاب کا عنوان دیکھ کر ایک قاری کے ذہن میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا تعلیم کے مسئلے پر اقبال کے خیالات اس قابل ہوسکتے ہیں کہ انکو ایک کتاب کا موضوع بنایا جائے ؟ کیونکہ ان کی عام شہرت جن باتوں کی وجہ سے ہے ان میں تعلیم اتنی نمایاں نہیں ۔ سو کتاب کا پہلا باب «اقبال بحیثیت معلم و مفکر تعلیم» گویا اس سوال کا جواب ہے۔ فاضل مصنف نے اس باب میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کو بے شک اس کا حق حاصل ہے کہ تعلیم کے بارے میں ان کے افکار و خیالات نہ صرف سنے جائیں بلکہ ان سے استفادہ بھی کیا جائے ۔ اقبال دس بارہ سال تک تعلیم کے پیشے سے وابستہ رہے ۔ انہوں نے تعلیم کے مسئلے پر غور کیا ہے اور اپنے خیالات پیش کئے ہیں ۔ اس باب کو کتاب میں صحیح مقام پر رکھا گیا ہے۔

دوسرا باب جس کا عنوان ہے «علوم جدیدہ اور ان کے بنیادی اصول ، اقبال کی نظر میں» یہ باب ۴۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ مگر اس کے مباحث کا بڑا حصہ موضوع سے راست تعلق نہیں رکھتا ۔ بے شک ہماری تعلیم کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ آجکل کے علوم و فنون مسلمانوں کو حاصل کرنے چاہئیں یا نہیں اور اقبال کے افکار کی روشنی میں اس کا جواب اثبات ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں اس بحث کی ہرگز ضرورت نہ تھی کہ یہ علوم اور ان کے بنیادی اصول کیا ہیں اور ان کا تعلق یونان سے جوڑا جائے یا عرب اور

مسلمانوں سے ۔ یہ ایک الگ بحث اور الگ موضوع ہے۔ موضوع زیر بحث کے تحت اس کتاب میں اس کے متعلق اس طول کلام کی نہ ضرورت تھی نہ گنجائش ۔ اسی طرح کے غیر ضروری ضمنی مباحث کو جگہ دینے سے کتاب کا حجم اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کا پڑھنا بار معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد کے چند اہم ابواب یہ ہیں ۔ تعلیم جدید پر اقبال کی تنقید ، مقاصد تعلیم اقبال کے نقطۂ نظر سے ، سیکولر تعلیم اور اقبال ، تعلیم نسواں ، صنعتی تعلیم ابتدائی تعلیم ،وغیرہ ۔ ان ابواب کا تعلق موضوع کتاب سے براہ راست واضح ہے۔ مگر بعض ابواب کا تعلق محل نظر ہے۔ مثلاً اقبال کا نظریہ امتزاج علم و عشق ، سیکولر تعلیم اور اسلامی قومیت ، نام نہاد اسلامی ریسرچ پر اقبال کی تنقید ، اسلامی ریسرچ اقبال کے نقطۂ نظر سے ۔ ان ابواب کا تعلق فلسفہ تعلیم یا فن تعلیم سے تو جوڑا جا سکتا ہے مگر مسئلہ تعلیم کے ذیل میں ان ابواب کے عنوانات اور مشتمل مباحث کا ذکر وضع الشی فی غیر محلہ کے حکم میں آتا ہے۔ ان ابواب نے بھی کتاب کے حجم کو گراں بار حد تک بڑھانے میں مدد دی ہے۔

کتاب کا آخری باب جس کا عنوان ہے «ام المسائل» ، دقت نظر سے دیکھا جائے تو موضوع کتاب سے براہ راست اور بھر پور تعلق صرف اسی کے حصے میں آتا ہے۔ منطقی ترتیب کی رو سے اس باب کو کتاب کے آخر میں رکھنے کی بجائے کتاب کے شروع میں رکھنا چاہئے تھا ۔ اس باب کو پڑھے بغیر کچھ نہیں پتا چلتا کہ مسئلہ کیا ہے کس کا ہے اور اس کا حل کیا ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلے کا حل مصنف کے الفاظ میں یہ ہے «کہ نظام تعلیم کی دو رنگی کو ختم کیا جائے اور ایک نیا تعلیمی راستہ نکالا جائے » ۔ لیکن لطف یہ ہے کہ مسئلے اور اس کے حل کا ذکر تو کتاب کے آخری باب اور آخری صفحات میں ہے

مگر اس کی نسبت اقبال کے خیالات کا اس باب میں کوئی ذکر نہیں ۔ اس باب کے ۱۳ صفحات میں صرف یہ چند الفاظ ھی ھیں جن کا تعلق اقبال سے ہے ۔ "اقبال نے اسی راستے کی نشاندھی کی ہے"۔ بہر حال کتاب کا یہ واحد باب ہے جس کو قاری دلچسپی سے پڑھ ڈالتا ہے اور پڑھنے میں الجھن محسوس نہیں ھوتی ۔

کتاب کے موضوع اور دائرہ کار کا اندازہ تو کم و بیش اس کے عنوان سے ھو جاتا ہے مگر کتاب لکھنے کی غرض و غایت جس کا ذکر مصنف کو کتاب شروع کرنے سے پہلے حرف آغاز پیش لفظ یا مقدمہ وغیرہ قسم کی کوئی چیز لکھ کر کر دینا چاھئے تھا ، عقدہ لا ینحل ھی رھتا ہے ۔ ڈاکٹر رضی الدین صاحب کا لکھا ھوا مختصر سا پیش لفظ شروع میں موجود ہے مگر وہ بالکل ایک رسمی سی تحریر ہے ۔ اس میں انہیں اس قسم کا کوئی سوال اٹھانے یا اس کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی ۔ یہ کام مصنف کا تھا کہ وہ ابتداء ھی میں کتاب کے موضوع ، مقصد اور مباحث کا اجمالاً تعارف کرا دیتے ۔

موضوع سے بحث میں مصنف کا انداز ناقدانہ نہیں بلکہ مادحانہ اور حامدانہ ہے ۔

مباحث اور مطالب میں تجزیہ کی کمی کا احساس ھوتا ہے ۔

تبصرے بے لاگ نہیں ۔

انداز بیانیہ ہے اور بیانات سطحی اور سرسری ھیں ۔

طول کلام زیادہ ہے ۔

اسلوب بیان شرح نویسی کا ہے ۔ کتاب کی اسکیم اور ابواب کی ترتیب

بہت اچھی نہیں ۔ ربط و تسلسل کا فقدان ہے۔ تطویل لاطائل اکتا دینے والی ہے۔ یہ کتاب اطناب ممل کی بہترین مثال ہے۔

اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ طالب علموں کے لئے جس طرح شرحیں لکھتے ھیں بیشتر اسی اسلوب سے کتاب کے مباحث تحریر کئے گئے ھیں ۔ کوئی باشعور واقعی معنوں میں پڑھا لکھا آدمی اس کتاب کو دلچسپی اور انہماک کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا ۔ کتاب کو پڑھنے کے لئے طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ ترجموں اور شرحوں نے کتاب کے حجم کو بڑھانے میں مدد دی ہے۔ مگر خود کتاب اتنی بوجھل ہو گئی ہے کہ اسے لائبریری میں الماری کی زینت تو بنایا جا سکتا ہے پڑھا نہیں جا سکتا ۔ شرح اور ترجمہ کی بھر مار کے بعد گائیڈ اور خلاصہ میں پھر انہی باتوں کو پڑھنے کے لئے بڑے صبر و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کے حجم کو بڑھانے کی ارادی کوشش کی ہے۔ بے ڈھب انداز سے مباحث کی تکرار گراں گزرتی ہے۔

صفحہ ۵۹۱ پر "کارے دارد ہے" ۔ "کارے دارد" کافی ہے ۔"ہے" کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔ صفحہ ۵۹۴ پر "عملی و فکری" "علمی و فکری" ہونا چاہئے ۔ غالباً یہ پروف کی غلطی ہے۔ صفحہ ۵۹۶ پر غالب کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

اسلام مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

پہلے مصرعے میں اسلام کی جگہہ ایماں نون غنہ کے ساتھ ہے۔ اسلام کے ساتھ مصرعہ وزن سے گر جاتا ہے۔

اس قسم کی اسقام سے کتاب کا علمی اور تحقیقی معیار مجروح ہوتا ہے

«ارباب مقتدر» ، صفحہ اول پر پیش لفظ میں «ارباب اقتدار» کی جگہہ «ارباب مقتدر» چھپا ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ پروف کی غلطی ہے۔ پیش لفظ مصنف کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ پھر بھی ذمہ داری اسی کی ہے۔

صفحہ ۸ پر سطر ۷ میں «مکاتیب و مدارس» ہے، «مکاتیب» کی بجائے «مکاتب» ہونا چاہئے۔ مکاتیب مکتوب کی جمع ہے ، مکتب کی جمع مکاتب آتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی طباعت اور پروف کی غلطی ہو۔

محمد احمد خان صاحب کا اصرار تھا کہ کتاب کو بالاستیعاب پڑھ کر بےلاگ رائے کا اظہار کیا جائے۔ سو میں نے اپنی حد تک ان کے ارشاد کی تعمیل میں کاوش کی۔ میں نے سطور بالا میں دیانت داری کے ساتھ کتاب کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ یہ وہ تاثرات ہیں جو کتاب پڑھنے کے بعد پیدا ہوئے لیکن یہ کل صداقت نہیں ہے۔ ان تاثرات کے علاوہ کچھ اور بھی تاثرات ہیں جن کو ذکر نہ کیا گیا تو بات ادھوری رہ جائے گی اور تبصرہ کا توازن متاثر ہو گا۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات جس کا ذکر کیا جا سکتا ہے مصنف کی وسعت مطالعہ ہے۔ انہوں نے اقبال اور اقبالیات ہی کا مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ اور بھی بہت کچھ پڑھا ہے جس میں مشرقی علوم اور مغربی علوم دونوں شامل ہیں۔ دوسری اہم بات سلامت طبع کے ساتھ صحت فکر اور سداد نظر ہے جس کی فی زماننا بہت کمی ہے۔ مصنف کا نقطۂ نظر ملی شعور اور دینی حس سے بہرہ ور ایک مسلمان کا نقطہ نظر ہے۔ اس لئے ان کے اخذ کردہ نتائج ہمارے قومی عزائم اور امنگوں سے متصادم نہیں ہم آہنگ ہیں۔ تیسری بات یہ کہ مواد کی فراہمی میں انہوں نے انتہائی محنت اور کاوش سے کام لیا ہے جس کے باعث ان کی کتاب معلومات کا گنجینہ بن گئی ہے۔ چوتھی چیز زبان و بیان پر قدرت ہے۔ صحت کے ساتھ سلیس اور رواں اردو لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔

اس لحـــاظ سے بھی مصنف کی یـہ کاوش لائق تحسین ہے۔ زوال علم و عرفان کے اس دور میں جبکـہ بہت کم کوئی اچھی کتاب دیکھنے میں آتی ہے۔ محمد احمد خان صاحب کی یـہ کوشش بعض خامیوں سے قطع نظر بحثیت مجموعی قابل قدر ہے ، بالخصوص اقبال پر شائع ہونے والی کتابوں میں اس کا درجـہ کمتر نہیں ثابت ہوگا ۔

(شرف الدین اصلاحی)

★ ★ ★ ★